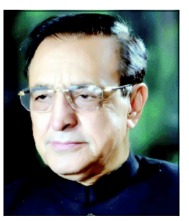

پہلے مرحلہ کی پولنگ میں گراوٹ، ووٹروں کی مایوسی کا نتیجہ

شاہد زبیری

ملک 21اہم ریاستوں کی پہلے مرحلہ کی کچھ سیٹوں پراور کچھ ریاستوں کی تمام سیٹوں پر پولنگ ختم ہو چکی ہے اس مرحلہ کے رجحان کا باقی 6مرحلوں کی پولنگ پر کتنا اثر انداز ہوگا، ابھی سب کی نظریں اس پر ٹکی ہیں۔ پہلے مرحلہ کی پولنگ میں بی جے پی اور انڈیا الائنس میں سیدھا مقابلہ نظر آیا۔ مغربی بنگال منی پور میں تشدد اورا مپھال میں ای وی ایم کے نذر آتش کئے جانے اور چھتیس گڑھ میں پولنگ بوتھ کے قریب دھماکہ میں ایک سی آر پی ایف جوان کی شہادت اور ناگالینڈ کے 6اضلاع میں الیکشن بائیکاٹ کے نتیجہ میں پولنگ صفر رہنے کے علاوہ انتخابی عمل مجموعی طور پر پرامن رہا، حتی کی جموں کشمیر جیسی حساس ریاست سے بھی کسی ناخوشگوار واقعہ کی اطلاع نہیں تھی۔ یوپی جیسی ملک کی بڑی ریاست کے مغربی یوپی کی 8اہم سیٹوں کی اگر بات کی جائے تو یہاں بھی کم وبیش یہی صورتِ حال دکھائی دی اور بی ایس پی سے جومسلم ووٹوں میں انتشار کا خدشہ تھا اس کا لوک سبھا کے حلقوں میں کہیں کہیں بوتھوں پر یہ نظر آیا، عام طور پر مسلم ووٹ یکمشت انڈیا الائنس کے کھاتے میں گئے۔

اگر گزشتہ لوک سبھا کے انتخابات کا پولنگ فیصد سامنے رکھیں تو ووٹ پولنگ کا فیصد پہلے کے مقابلہ ایک دو نہیں 5.5 فیصد اور کچھ سفولجسٹو کے تجزیہ کے مطابق تقریباً 6فیصد کم رہا۔ دستیاب اعداد و شمار کے مطابق 2009میں پولنگ فیصد 58تھی جو 2014میں بڑھ کر 66فیصد اور 2019میں 69.9 اور2024میں گھٹ کر مجموعی طور 65.3فیصد رہ گئی بنگال کو چھوڑ کر جہاں پہلے تین سیٹوں پر گزشتہ لوک سبھا انتخاب میں 66فیصد تھی جو بڑھ کر 77فیصد ہوگئی باقی ریاستوں جیسے یوپی میں 59فیصد سے گھٹ کر 57.77فیصد پر آ گئی، اتراکھنڈ کی سبھی 5سیٹوں پر 66فیصد سے گر کر 57.72فیصد پر آ گئی، ، چھتیس گڑھ میں 71فیصد تھی جہاں 63.41فیصد رہ گئی، اروناچل میں 83فیصد تھی جو 65.79 فیصد ہوگئی ، آسام میں 81فیصد تھی جو 71.64رہ گئی، تشدد زدہ منی پور میں بھی 82فیصد سے گھٹ کر 68.81 فیصد رہ گئی ہے، تمل ناڈو میں 72فیصد سے گھٹ کر 62.27 فیصد رہ گئی اور مہاراشٹر میں پولنگ فیصد کا تناسب 64فیصد تھا جواب کم ہو کر 55.35فیصد پر آ گیا۔ ایسا ہی معاملہ بہار، راجستھان اور کچھ باقی ریاستوں کا ہے، جہاں پہلے مرحلے کی پولنگ کا عمل مکمل ہو چکا ہے۔ انتخابی اعداد وشمار کے ماہروں کی مانیں اگر یہی رجحان باقی 6مراحل میں رہا تو مجموعی طور پر لوک سبھا کا پولنگ 2019 کے مقابلہ کافی گھٹ سکتا ہے۔ اگر پہلے مرحلہ کی پولنگ میں ناگالینڈ کے 6 اضلاع میں پولنگ صفر رہا اور 4لاکھ ووٹروں نے ووٹ ہی نہیں ڈالے اور مجموعی پولنگ کا فیصد 5فیصد بھی کم از کم مانیں تو اس کا مطلب ہے کہ 75 سے 80لاکھ لوگ گھروں سے ہی نہیں نکلے تو اس سے ووٹروں کے رجحان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ ووٹروں نے بی جے پی اور خاص کر وزیر اعظم نریندر مودی کی گارنٹی پر بھروسہ نہیں کیا جس کا بڑا شور ہے۔ اس کے علاوہ انڈیا الائنس کے وعدوں پر بھی عام ووٹر نے کم بھروسہ جتایا ہے، پہلے مرحلہ کی پولنگ میں 5.5 یا 6فیصد کا گھٹنا آخر کس بات کی علامت کہی جاسکتی ہے۔ پہلے مرحلہ کی پولنگ میں تجزیہ نگاروں نے جہاں اس بات کا اعتراف کیا کہ بی جے پی کا بوتھ مینجمنٹ انڈیا الائنس کے مقابلہ بہت بہتر تھا انڈیا الائنس کی بوتھ مینجمنٹ کی کمزوری اس کیلئے خطرہ کا الارم ہے، اگر اس نے اس کمزوری کو باقی مراحل میں دور نہیں کیا تو دہلی فتح کرنے کے ارمان آنسوؤں میں بہہ سکتے ہیں۔ بی جے پی کی پشت پر سنگھ پریوار کا تھنک ٹینک ہے جو یقیناً پولنگ فیصد کے خطرہ کے اسباب پر سر جوڑ کر بیٹھ گیا ہوگا، اس کی طرف سے ہر ممکن کوشش ہوگی کہ باقی مراحل میں کی پولنگ فیصد میں اضافہ کیسے کیا جائے۔ ویسے بی جے پی کے 400پار کے نعرہ کے غبارہ کی ہوا تو نکلے گئی ہی ہے، لیکن پولنگ فیصد میں تخفیف اس کے عزائم کو دھول چٹا سکتی ہے۔ تجزیہ نگار بھی بی جے پی کے دعویٰ کو حقیقت کے برعکس مانتے ہیں۔ حقیقت ہے کہ ملک کے کسی بھی حصہ میں چلے جائیں عوام خاص طور پر نوجوانوں اور نوجوانوں میں اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان جو آئی اے ایس، آئی پی ایس یا ریلوے، بینک ،فوج اور پولیس و دیگر سرکاری ملازمتوں کی تیاری کرتے ہیں وہ کافی ناراض ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حکومت چور دروازے سے اعلیٰ ملازمتوں پر اپنے نظریہ کے لوگوں کو بٹھا رہی ہے اور کسان وغریب کے بچے ان سرکاری ملازمتوں سے دور رکھے جارہے ہیں۔ ہندی میڈیم سے تعلیم حاصل کرنے والے چاہتے ہیں کہ انگلش اور ہندی میڈیم کے مقابلہ جاتی مرکزی ملازمتوں کے امتحانات کی پالیسی میں یکسانیت لائی جائے تاکہ کسان اور غریب کے بچوں کے اڑنے کے سنہرے خوابوں کو بال و پر میسر آسکیں اور ان کی شب روز کی محنت ٹھکانے لگے۔ تعلیم یافتہ نوجوان میڈیا کے مائک پر صاف صاف بول رہے ہیں کہ مودی سرکار گنے چنے چند سرمایہ داروں کی تجوریاں بھر رہی ہے اور پبلک سیکٹر کو گجرات سے تعلق رکھنے والے سرمایہ داروں کے نجی ہاتھوں میں سونپ رہی ہے جیسے ریلوے، بینک، تعلیم اور صحت وغیرہ جبکہ 80فیصد عوام کو 5 کلومفت راشن کی خیرات بانٹی جارہی ہے اور ملک کی اکثریت کو روزگار اور آمدنی کے لحاظ سے اس قابل بننے کا موقع ہی نہیں دیا جارہا ہے کہ وہ ماہانہ 5 کلو اناج کی سرکاری خیرات کا محتاج بننے کی بجائے 5 کلو اناج خریدنے کی استطاعت پیدا کرسکیں۔ نوجوانوں کھل کر کہہ رہا ہے کہ کسی کی آستھا یا عقیدہ، پوجا پاٹھ اپنی جگہ، دھرم اور مذہب کی سیاست کی کاک ٹیل کا نشہ زیادہ دن تک نہیں رہتا۔ مودی سرکار کی دھرم اور مذہب کی سیاست اور ہندو مسلم کے نام پر تفریق سے ملک اور عوام کا بھلا ہونے والا نہیں ہے۔ نوجوانوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے 2014اور 2019میں بی جے پی کو اس لئے ووٹ دیا تھا کہ شاید اس کی سرکار تعلیم یافتہ نوجوانوں کے بلند عزائم کی تکمیل کر سکے اور ان کو روزگار اور ملازمتوں کے بہتر مواقع مل سکیں، لیکن گزشتہ سالوں میں بی جے پی کی مودی سرکار نے کوئی کرشمہ نہیں دکھایا اور نوجوانوں کے خوابوں کو پاش پاش کردیا، وہ صاف صاف کہتے ہیں کہ 10 سال کا حساب دینے کی بجائے مودی جی آج بھی دھرم اور ہندو مسلم کی سیاست کو بھنانا چاہتے ہیں اور ملک کی جی ڈی پی کے اضافہ اور معیشت کی تیز رفتاری کا ڈھول پیٹ رہے ہیں اور اب پانچ سال کی بجائے

1947 تک کے سپنے فروخت کر رہے ہیں ان نوجوانوں میں وہ نوجوان بھی شامل ہیں، جو کھل کر کہہ رہے ہیں کہ وہ اس مرتبہ بی جے پی کو ووٹ نہیں دیں گے اور انڈیا الائنس کے کھاتے میں اپنا ووٹ ڈالیں گے۔ بے روزگاری اور مہنگائی کے علاوہ کسان بھی ناراض ہیں، کسان آج بھی سڑکوں پر ہیں۔ پنجاب میں ریل کی پٹریوں پر دھرنا دئے بیٹھے ہیں جن کی باتوں پر سرکار ذرا بھی کان نہیں دھر رہی ہے۔ یوپی میں بھی کسان ناراض چل رہے ہیں۔ اس ناراضگی نے پہلے مرحلہ کے انتخابات میں جاٹ لینڈ کہلانے والے مغربی یوپی کی آٹھوں سیٹوں پر کتنا اثر ڈالا ہے ،ڈالا ہے یا نہیں؟ یہ نتائج کے بعد پتہ چلے گا، لیکن ان ہی مغربی یوپی کی لوسبھا سیٹ کیرانہ سے سماجوادی پارٹی کے ٹکٹ پر انڈیا الائنس کی اقراء حسن اور مظفر نگر سیٹ پر انڈیا ایلائنس کے امیدوار ہریندر ملک نے بی جے پی پر دھاندلی کے الزامات لگائے ہیں ، ہریندر ملک نے تو اس کی شکایت الیکشن کمیشن سے تحریری طور پر کی ہے۔ جبکہ چیف الیکشن کمشنر اپنی پیٹھ آپ تھپتھپا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ یہ پولنگ سے لطف اندوز ہونے کا وقت ہے نہ کہ شک کرنے کا۔ حیرت ہے کہ پولنگ فیصد کا مجموعی تناسب گھٹ رہا ہے ایک ریاست کے 6اضلاع کے ووٹروں نے الیکشن کا ہی بائیکاٹ کردیا، چیف الیکشن کمشنر پھر بھی لطف اُٹھانے کی نصیحت فرما رہے ہیں، ان کو باقی مراحل کی فکر کرنی چاہئے ، شک وشبہ سے بالاتر صاف شفاف الیکشن کرانا چاہئے۔ ووٹوں کے فیصد کے تناسب میں کمی حقیقت میں الیکشن میں ہونے والی دھاندلی اور بے ایمانی اور سیاسی پارٹیوں کی وعدہ خلافی سے ووٹروں کے مایوسی اور دلبرداشتگی کا نتیجہ ہے۔ سیاسی پارٹیوں کو آئین اور جمہوریت کا پاس رکھتے ہوئے دھرم اور مذہب کی سیاست سے باز رہنا چاہئے سیکولرزم کی پابندی کرنی چاہئے اور بنیادی مسائل پر توجہ دینی چاہئے۔

zuberi019@gmail.com

> **حقیقت ہے کہ ملک کے کسی بھی حصہ میں چلے جائیں عوام خاص طور پر نوجوانوں اور نوجوانوں میں اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان جو آئی اے ایس ،آئی پی ایس یاریلوے ،بینک ،فوج اور پولیس و دیگر سرکاری ملازمتوں کی تیاری کرتے ہیں وہ کافی ناراض ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ حکومت چور دروازے سے اعلیٰ ملازمتوں پر اپنے نظریہ کے لوگوں کو بٹھا رہی ہے اور کسان و غریب کے بچے ان سرکاری ملازمتوں سے دور رکھے جارہے ہیں۔**

کیا اسلام دنیا میں بزور طاقت پھیلا؟

ڈاکٹر ریحان اختر قاسمی

اسلام خالقِ کائنات کا انسانیت کے لیے عظیم ترین عطیہ ہے۔ جو ہمہ گیریت، آفاقیت وابدیت کا حامل ہے۔ چونکہ اسی دین کا علم حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت نوحؑ ابراہیمؑ واسماعیلؑ نے بلند کیا اور اسی دینِ حق کی تکمیل کائناتِ انسانی کے سب سے بڑے محسن اعظم محمد عربی ﷺ کے ذریعہ ہوئی جس کو اللہ رب العزت نے اپنی کتاب عزیز میں برملا اعلان فرمایا ہے:

(آج کے دن ہم نے تمہارے لیے دین اسلام کو مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لیے طریقہ زندگی کے طور پر اسلام کو پسند کیا)۔ موجودہ دور میں اسلام مخالف طاقتیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ بڑی تیزی کے ساتھ اپنے تمام جدید اسباب وذرائع یعنی پرنٹ میڈیا، الکٹرانک میڈیا، شوشل میڈیا کے ذریعہ یہ افواہ پھیلائی رہی ہیں کہ دنیا میں اسلام کی نشوونما طاقت و قوت کے زور سے ہوئی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ دین اسلام کے خلاف ارسال کی جارہی ترسیل بتاتی ہیں کہ دنیا میں اسلام کی نشوونما طاقت و قوت کے زور سے ہوئی۔ ساتھ ہی یہ بھی وہ اپنے مضامین اور دیگر ذرائع سے بتاتے ہیں کہ دین اسلام کی ترویج واشاعت میں اسلامی جنگوں کا بہت اہم کردار رہا ہے، جس کی وجہ سے کافی لوگ بھی اسلام سے بدظن ہورہے ہیں۔ اس کے علاوہ یوروپ اپنی معاندانہ روش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے تمام حربے استعمال کررہا ہے کہ کس طرح سے اسلام کی صاف وشفاف شبیہ کو داغدار کیا جائے۔ کبھی تو اسلام کو ایک خونخوار مذہب سے تعبیر کرتا ہے اور کبھی مسلمانوں کو درندہ صفت اور دہشت گرد کا لیبل لگا دیتا ہے اور اپنی اسلام مخالف سرگرمیوں میں ساری دنیا کو شریک کرنا چاہتا ہے۔ بالخصوص ہندوستان کو اور یہ باور کرا رہا ہے کہ ہندوستان میں بھی مسلمان حکمرانوں نے اپنی طاقت و قوت کے بل بوتے پر غیر مذاہب کے لوگوں کی گردن پر تلوار رکھ کر انھیں اسلام کو قبول کرنے پر مجبور کیا۔ بالخصوص صلیبی جنگوں میں معاندین اسلام کی ذلت آمیز ہزیمت وپسپائی کے بعد یہ بات بڑی زور وشور سے اٹھی کہ اسلام ایک خونخوار مذہب ہے اور مسلمان ایک دہشت گرد قوم وملت کا نام ہے۔ اس کے بعد سے لے کر آج تک کسی نہ کسی پیرائے بیان وزبان میں اس الزام کو بے جا اسلام کی طرف منسوب کرنے میں پوری دنیا لگی ہوئی ہے۔ اسلام تو سراپا خیرو سلامتی کا مذہب ہے اور امن وسلامتی کے جامع اور ہمہ گیر تصور کا نقیب ہے۔ دین حق نے تو اپنی دعوت وتبلیغ کو دلائل و براہین کے ذریعہ اخلاقِ حسنہ سے پیش کی اور حسن اخلاق نے لوگوں پر ایسے اثرات مرتب کیے کہ غیر مذاہب کے لوگوں نے اسلام کی پناہ میں آنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھا اور اسلام قبول کرنے کے بعد وہ کسی حال میں اپنے چھوڑے ہوئے دین کی طرف واپس جانا گوارہ نہ کیا۔ اسلام نے عقل وخرد کو حکم بنانے کے بعد لوگوں کو اسلام قبول کرنے اور انکار کرنے کی پوری آزادی دی، قرآن کریم میں اعلان ہے:

(جو چاہے ایمان لائے اور چاہے کفر کا راستہ اختیار کرے)

اسلام کی ترویج واشاعت اور دعوت وتبلیغ کے اصول قرآن میں بیان کیے گئے ہیں اور مذہب اسلام میں جبر واکراہ سے روکا گیا ہے۔ اسلامی دعوت کو پیش کرنے کا طریقہ کار کیا ہونا چاہیے قرآن کی زبانی سینے:

(انھیں اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت وعمدہ وعظ وپند کے ساتھ بلاؤ اور بحث ومباحثہ ایسے طریقہ پر کرو جو بہترین ہو)

(اے پیغمبر ﷺ نیکی اور بدی برابر نہیں ہیں۔ تو بدی کو ایسے طریقہ پر دور کر جو بہت اچھا ہے پھر دیکھو کہ جسکے ساتھ تیری دشمنی ہے وہ تیرا اگر مجوش دوست بن جائے گا)

مذہب اسلام میں جبر واکراہ پر بندش لگاتے ہوئے قرآن کریم میں اعلان کیا:

(کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں، حالانکہ تیرا کام مجبور کرنا نہیں)

ایک دوسری جگہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(کوئی شخص اللہ کی اجازت کے بغیر ایمان نہیں لاسکتا اور اللہ عدمِ اجازت کی ناپاکی انھیں لوگوں پر ڈالتا ہے، جو اپنی عقل سے کام نہیں لیتے)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

(تو جسے چاہے ہدایت نہیں کرسکتا بلکہ اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے وہی جانتا ہے کہ کون ہدایت قبول کرنے کے لیے تیار ہے)

(ان کی ہدایت تیرے ذمہ نہیں ہے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت بخشتا ہے)۔ (قرآن کریم کی یہ تمام آیات کیا اس بات کے بین ثبوت نہیں ہیں کہ اسلام میں مذہبی جبر واکراہ اور زور زبردستی کی کہیں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ پھر کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ کوئی اہل ایمان خدا کی جاری کردہ احکامات کے خلاف ظلم وتشدد و ناانصافی اور حق تلفی کا راستہ اختیار کرے گا۔ یہ بات واضح ہے کہ اسلام میں کوئی بھی جنگ دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے نہیں ہوئی، بلکہ تمام جنگیں ظلم وستم اور جبر واکراہ کے خاتمہ کے لیے ہوئیں اور ان ہی جنگوں کے بعد ظلم وستم کا خاتمہ اور اس کے اسباب و ذرائع کا بھی خاتمہ ہوا اور معاشرہ میں عدل وانصاف کا قیام ہوا ،جس کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ اسلام بہت اچھا مذہب ہے، اس لیے اسلام کو قبول کرلیا۔ علامہ لورڈ ہیڈ لے لکھتے ہیں:

”محمد ﷺ کی تلوار جو آپ نے جماعتِ مفسدین کی ظالمانہ سرگرمیوں کو نیچا دکھانے کے لیے اٹھائی وہ صرف حفظِ ذات کی تلوار نہ تھی بلکہ تمام قوموں، تمام مذہبوں، تمام مندروں، گرجاؤں اور مسجدوں کی حفاظت کی تلوار تھی اور یہ تلوار اقوام وادیان کے رشتوں کو توڑنے والی نہیں تھی بلکہ جوڑنے والی تھی۔ اس کا بڑا مقصد یہ تھا کہ عرب سے خانہ جنگی کو ختم کردیا جائے اور ایک ایسی منظم اور پرامن حکومت قائم کی جائے جس کے سایہ میں تمام اقوام کو عزت وآزادی کی زندگی مل سکے“۔

مشہور ہندو سیرت نگار سوامی لکشمن پرساد اسلام کی جنگوں کے سلسلہ میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”کہ یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام کی شان وشوکت کے ایام کی کہانی جنگ وجدال کی ایک خونچکاں داستان ہے اور یہ خون آشائی مذہب اسلام کی خصوصی امتیاز قرار دی جاتی ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ قطعی مبنی برصداقت ہے کہ اسلام نے خون کا دریا عبور کرکے ہی اپنی اس حیرت انگیز شان وشوکت کو حاصل کیا ہے۔ جس کا تصور انگشت بدنداں کردینے کے لیے کافی ہے۔ اسلام کے گلشن ہائے رنگ کی رنگینیوں میں ان مظلوم سرفروشانِ توحید کی جھلک موجود ہے، جنھوں نے صیانتِ دین کے لیے بے دریغ گردنیں کاٹیں۔ مگر یہ قطعی صحیح نہیں ہے کہ مسلمانوں کو خونریزی اور جنگ وجدال سے دلی ذوق وشوق اور قلبی ربط وضبط تھا۔ قوموں کی تاریخ میں بعض ایسے وقت آتے ہیں جب خونریزی ناگزیر ہوجاتی ہے اور اس وقت جان دینے سے جان چرانا ایک قسم کا گناہ بن جاتا ہے۔ مسلمان بھی ایسی ہی آزمائش سے دوچار تھے، اس لیے انہوں نے تلوار اٹھانا اہم ترین فریضہ سمجھا۔

اسلام پوری انسانیت کیلئے آیا ہے اور یہ عالم انسانیت کو تحفظ و حقوق فراہم کرتا ہے اور یہ دنیا میں ایک ایسا معاشرہ چاہتا ہے جہاں پر ہر انسان کو مکمل آزادی حاصل ہے اور احکام الٰہی کے حدود وقیود میں رہ کر جس طرح چاہے زندگی گزارے، لیکن اگر معاشرہ انسانیت ظلم و تشدد کا شکار ہو اور فتنہ وفساد کی آماجگاہ بنا ہو، اور انسانوں کے ساتھ ننگ انسانی سلوک وبرتاؤ کیا جارہا ہو، مذہبی حقوق کو چھین لیا جارہا ہو اور انسانی تقدس پامال ہورہا ہے، تو اب ایسے وقت میں فتنہ وفساد اور ظلم و جبر کے طریقہ کار پر بندش لگانے کے لیے تلوار اٹھانا ناگزیر ضرورت بن جاتا ہے۔ سامی لکشمن پرشاد کا اسلامی جنگوں پر بے باکانہ تبصرہ کی تائید سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریر سے ہوتی ہے لکھتے ہیں:

”اسلام اپنی صداقت پر ایمان لانے کے لیے کسی کو مجبور نہیں کرتا بلکہ دلائل و براہین کی روشنی میں ہدایت کی راہ کو ضلالت کی راہ سے ممتاز کرکے دکھانے کے بعد ہر شخص کو اختیار دیتا ہے کہ چاہے غلط راستہ پر چل کر نامرادی کے گڈھے میں جاگرے، اور چاہے سیدھے راستے پر لگ کر حقیقی اور دائمی فلاح وکامرانی سے بہرہ اندوز ہو، لیکن اس سلسلہ کلام کو ختم کردینے سے پہلے ہم یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اسلام کی اشاعت میں تلوار کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جہاں تک تبلیغ دین الٰہی کی حد ہے، اس میں تلوار کا کوئی کام نہیں ہے، لیکن اس تبلیغ کے ساتھ کچھ چیزیں اور بھی ہیں جن کے تعاون سے دنیا میں اسلام کی اشاعت ہوتی ہے اور وہ یقیناً تلوار کی اعانت سے بے نیاز نہیں ہیں۔“

گاندھی جی اسلامی تعلیمات کی خصوصیات و امتیازات کو پرزور انداز میں اعتراف کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

”میں اس کا بہت زیادہ قائل ہوں کہ اسلام کو جو مقام اس دور میں حاصل ہے، یہ تلوار کی بدولت نہیں ہے۔ یہاں حد درجہ سادگی ہے، رسول کی زندگی نمونہ ہے، جس میں ایفائے عہد ہے۔ دوستوں اور پیروکاروں کے لیے خلوص ومحبت ہے۔ بے خوفی اور رب کی ذات میں اپنے پیغام کی سچائی میں یقین ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جس کے لیے نہ تلوار کی ضرورت ہے اور نہ کسی اور چیز کی جو سامنے والے کو اپنے ساتھ بہالے جائے۔“ ہم نے تلوار کا چرچا بہت سنا ہے اور مثال کے طور پر جہاد کا مسئلہ ہمارے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ گویا اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کی بقاوترقی کا انحصار تلوار پر ہے۔ میرے سمجھ سے ایسا کہنا خود اسلام کی تردید کرنا ہے، اس غلط اور شرانگیز عقیدے کے حامیوں نے حضرت محمد ﷺ کی زندگی کے واقعات کو بالائے طاق رکھ دیا اور صداقت سے آنکھ بند کرلیں۔ اسلام میں تلوار کی جو جگہ ہے وہ کسی بھی مذہب میں ہوسکتی ہے، اسلام میں تلوار کا استعمال جائز ہے، مگر صرف وہیں تک جہاں تک صداقت اور سچائی کی حفاظت کے لیے ضروری ہے۔ اسلام میں امن وآشتی اور صلح راستی کی جگہ تلوار سے کہیں بالاتر ہے۔ اسلام تلوار کا نہیں امن کا پیغام ہے۔

”اسلام میں تلوار اور مبارزت کے ذریعہ فتح کے تصور کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے حتی کہ مفتوحہ علاقوں کے بت پرستوں کو بھی موت کے گھاٹ نہیں اتارا جاتا تھا۔“

تلوار سے ملک اور میدان تو فتح کیے جاسکتے ہیں، مگر دل نہیں جیتے جاسکتے۔ اگر اسلام تلوار سے پھیلا ہوتا تو تلوار کا خطرہ سر سے ٹلتے ہی لوگ اسلام سے پھر جاتے، لیکن حقائق اس کے بالکل خلاف ہیں۔ جب تلوار کی قوت مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھین لی گئی تب بھی ہزاروں لوگ اسلام قبول کرتے رہے ہیں۔

پس جس طرح یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے لوگوں کو مسلمان بناتا ہے، اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اسلام کے اشاعت میں تلوار کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ حقیقت ان دونوں کے درمیان ہے، اور وہ یہ کہ اسلام کی اشاعت میں تبلیغ اور تلوار دونوں کا حصہ ہے۔ جس طرح ہر تہذیب کا کام ہوتا ہے، تبلیغ کا کام تخم ریزی ہے اور تلوار کا کام قلب ریزی ہے، پہلے تلوار زمین کو نرم کرتی ہے، تاکہ اس میں بیج پرورش کرنے کی قابلیت پیدا ہوجائے۔ پھر تبلیغ کا بیج ڈالا ڈال کر آبپاشی کرتی ہے تاکہ وہ پھل حاصل ہو جو اس باغبانی کا مقصودِ حقیقی ہے۔ ہم کو دنیا کی پوری تاریخ میں کسی ایسی تہذیب کا نشان نہیں ملتا جس کے قیام میں اس دونوں عنصر کا حصہ نہ ہو۔

مشہور ومعروف مؤرخ مسٹر گبن جو زمانہ حال کے مؤرخوں میں سے بڑا مؤرخ ہے اور اس کی سند نہایت معتبر شمار کی جاتی ہے۔ مذہبی آزادی کے سلسلہ میں اپنی کتاب میں یہ لکھتا ہے:

”مسلمانوں کی لڑائیوں کو ان کے پیغمبر نے مقدس قرار دیا تھا مگر آنحضرت ﷺ نے جو اپنی حیات میں مختلف نصیحتیں کیں اور نظیریں قائم کیں ان سے خلفاؤں نے دوسرے مذہب کو آزادی دینے کی نصیحت پائی جس سے اسلام کے غیر مستندوں کی مخالفت رفع ہو جائے۔ ملک عرب حضرت محمد ﷺ کے خدا کی عبادت گاہ اور اس کا مملوک تھا، مگر وہ دنیا کی قوموں کو محبت سے اور بہت کم رشک سے دیکھتا تھا، بہت سے دیوتاؤں کو ماننے والے اور بت پرست جوان کو نہ مانتے تھے، شرعاً نیست ونابود کیے جاسکتے تھے۔ مگر انصاف کے فرائض سے نہایت عاقلانہ تدبیر اختیار کی گئی۔ ہندوستان کے مسلمان فتح مندوں نے بعض کام دوسرے مذہب کی آزادی کے برخلاف کرنے کے بعد بھی آباد ملک کے مندروں کو چھوڑ دیا ہے۔“

اپنے لوگوں کی شہادتیں تو قبول کرتے ہی ہیں، لیکن اگر یہی شہادت کوئی دوسرے مذہب کا ماننے والا دے تو وہ یقیناً لائق داد وتحسین ہوا کرتی ہے۔ اس مضمون کا اختتام ایک مشہور ومعروف یورپی مؤرخ ڈاکٹر گستاؤلی بان کے خیالات پیش کردیئے جائیں جو ایک عیسائی دانشور ہے اس نے جو کچھ اسلام کے سلسلے میں لکھا وہ عقیدت محبت کی بنیاد پر نہیں لکھتا بلکہ تحقیق وتنقید کو بنیاد بناتے ہوئے تمدن عرب میں لکھا ہے:

”اعمال اسلام اپنے عہد پر اس درجہ مستحکم رہے اور انھوں نے اس رعایا کے ساتھ جو ہر روز شہنشاہ قسطنطنیہ کے عاملوں کے ہاتھوں میں انواع واقسام کے مظالم سہا کرتی تھیں، اس طرح کا عمدہ برتاؤ کیا کہ سارے ملک نے بہ کشادہ پیشانی دینِ اسلام اور عربی زبان قبول کرلیا، میں بار بار کہتا ہوں کہ یہ وہ نتیجہ ہے جو ہرگز بزور شمشیر نہیں حاصل ہوسکتا۔“

hamsraihan@gmail.com

ووٹ ضرور ڈالیں مگر سوچ سمجھ کر

بھارت ان حالات سے نہ گزرے یہ ہر بھارتیہ کو سوچنا ہے اور اپنے ووٹ کی طاقت کا بہت سوچ سمجھ کر استعمال کرنا ہے۔ بھارت میں الیکشن چار بنیادوں پر ہوتا ہے پہلا مذہب ہے، بھارت میں کم و بیش دو سو سالوں سے ہندو مسلم کشمکش چل رہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ کنڈی ڈیٹ کی علمی، اخلاقی اور دیگر خوبیوں کو دیکھنے کے بجائے اس کا مذہب دیکھتے ہیں اور اس کی بنیاد پر ووٹ کرتے ہیں۔ یہ شدت پسندی ہندوؤں میں زیادہ ہے۔ مسلمان امیدوار چاہے کتنا اچھا ہو مگر ہندو اکثریت اس کو ووٹ نہیں کرتی اور اپنے درمیان کے گھٹیا بلکہ جرائم پیشہ شخص کو جتا کر اسمبلی اور پارلیمنٹ میں بھیج دیتی ہے۔

ڈاکٹر سید ابوذر کمال الدین

جمہوریت میں ووٹ فیصلہ کن قوت ہوتی ہے۔ یہ وہ ہتھیار ہے جس کے ذریعے حکومت بنائی بھی جاتی ہے اور گرائی بھی جاتی ہے۔ ویسے تو ہر الیکشن اہم ہوتا ہے، لیکن 2024 کا الیکشن کچھ خاص ہے۔ بی جے پی اس بار اس ارادے کے ساتھ اتری ہے کہ اسے چار سو سے زیادہ سیٹیں مل جائیں تو اس کے لیے ملک کے موجودہ دستور اور قانون کو بدلنا آسان ہوجائے گا اور اپنے خوابوں کا ہندوستان بنانے کی راہ ہموار ہوجائے گی جو یقیناً ملک کو تباہ و برباد کردینے والی راہ ہے۔ ہٹلر نے جو راستہ اختیار کیا تھا اس کے بارے میں اس کا احساس تھا کہ یہ سیاست جرمنی کو مضبوط کرے گی اور اس کو ایک بڑی عالمی قوت بنادے گی، لیکن جو ہوا وہ ساری دنیا نے دیکھا اور دورِ جدید کے اس فرعون کا جو عبرت ناک انجام ہوا اور جرمنی کو جو شکست، ذلت اور ہزیمت اٹھانی پڑی وہ عصرِ حاضر کی تاریخ کا ایک خونچکاں باب ہے۔

بھارت ان حالات سے نہ گزرے یہ ہر بھارتیہ کو سوچنا ہے اور اپنی ووٹ کی طاقت کا بہت سوچ سمجھ کر استعمال کرنا ہے۔ بھارت میں الیکشن چار بنیادوں پر ہوتا ہے پہلا مذہب ہے، بھارت میں کم وبیش دوسو سالوں سے ہندو مسلم کشمکش چل رہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ کنڈی ڈیٹ کی علمی، اخلاقی اور دیگر خوبیوں کو دیکھنے کے بجائے اس کا مذہب دیکھتے ہیں اور اس کی بنیاد پر ووٹ کرتے ہیں۔ یہ شدت پسندی ہندوؤں میں زیادہ ہے۔ مسلمان امیدوار چاہے کتنا اچھا ہو مگر ہندو اکثریت اس کو ووٹ نہیں کرتی اور اپنے درمیان کے گھٹیا بلکہ جرائم پیشہ شخص کو جتا کر اسمبلی اور پارلیمنٹ میں بھیج دیتی ہے۔ اس کے بعد وہ چھوٹا باہوبلی بڑا باہوبلی بن جاتا ہے اور اپنے سیاسی رسوخ کا فائدہ اٹھا کر دونوں ہاتھوں سے ملک کی دولت اور کمزوروں کی عزت لوٹنے میں مصروف ہوجاتا ہے۔ جس کے بعد علاقے میں اس کی دہشت پھیل جاتی ہے اور لوگ ڈر سے اس کے حق میں ووٹ ڈالتے ہیں۔ مسلمان بھی مذہب دیکھ کر ووٹ ڈالتے ہیں، لیکن ان کے پاس چوائس بہت محدود ہوتے ہیں اس لیے وہ اتنے شدت پسند نہیں ہوتے ہیں اور غیر مسلم امیدواروں کو بھر بھر کے ووٹ دیتے ہیں۔ اس طرح اس وقت بھارت میں ووٹنگ ون وے ٹریفک ہے۔ مسلمان غیر مسلم امیدواروں کے ووٹ دیتے ہیں، لیکن عموماً غیر مسلم مسلم امیدواروں کو ووٹ نہیں دیتے۔

دوسری چیز ذات ہے۔ ہندوستان میں ہندوؤں کے یہاں ذات برادری کی جڑیں اتنی گہری ہیں کہ جب دو یا دو سے زیادہ ہندو امیدوار کے درمیان مقابلہ ہو تو ہر ذات کے لوگ اپنی ذات کے امیدوار کو ہی ووٹ دیتے ہیں۔ اس طرح ہر ذات اپنی نمائندگی اور سیاسی طاقت بڑھانے میں لگا ہوا ہے۔ بھارت میں حکومت نظریاتی بنیاد پر نہیں بنتی اور بگڑتی ہے بلکہ یہ Coalition of Caste کی بنیاد پر بنتی ہے۔ جس نے جتنی ذاتوں کے لوگوں کو اپنی طرف ملا لیا اس کی جیت پکی ہے اس کو سیاسی اصطلاح میں Social Engineering کہتے ہیں۔

تیسرا فیکٹر علاقائیت ہے۔ بھارت ریاستوں کا وفاق ہے۔ ہر ریاست کی اپنی الگ خصوصیت ہے، اس لیے علاقائی Degnity & Aspiration وہ چیز ہے جس کی وجہ سے ریجنل پارٹی اور لیڈر شپ کا عروج ہوا ہے۔ ایک پارٹی اور لیڈر ایک ریاست میں بہت مقبول ہے جبکہ دوسری ریاست میں کوئی اس کو جانتا بھی نہیں ہے۔

لیکن کسی بھی الیکشن میں سب سے فیصلہ کن قوت پیسہ ہے۔ جس پارٹی اور کنڈی ڈیٹ کے پاس پیسہ زیادہ ہے اس کے کامیاب ہونے کا امکان زیادہ ہے۔ کیونکہ مذہب، ذات، علاقائیت کے بعد پیسہ فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے۔ ہمارے ملک میں آج بھی غربت اور جہالت ہے اور عوام کو حکومت اور سیاست پر اعتماد نہیں ہے۔ برسہا برس بیت جاتے ہیں اور ان کے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ اس لیے لوگ ہزار پانچ سو روپے میں آسانی سے اپنا ووٹ بیچنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور اس طرح کروڑوں روپے خرچ کر کے لوگ الیکشن جیت جاتے ہیں اور اربوں کماتے ہیں۔ موجودہ حالات میں سیاست سے اچھی کوئی تجارت نہیں ہے جس میں دولت، عزت، طاقت، شہرت اور غلط صحیح کرنے کا پورا اختیار حاصل ہوجاتا ہے۔

بہر حال یہ ہمارے سیاسی نظام کی کمزوریاں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہم ووٹ نہ ڈالیں۔ ایک ایک ووٹ بہت قیمتی ہے۔ لہٰذا اپنا ووٹ غفلت میں ضائع نہ کیجیے۔ ووٹ کے دن سب سے پہلا کام اور سب سے اہم کام ہے ووٹ ڈالنا۔ ووٹ بہت سوچ سمجھ کر ڈالیے۔ اس کنڈی ڈیٹ کی حمایت کیجیے جو ملک میں فسطائی طاقت کو ہرا سکتا ہے۔ بالکل جذبات میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہت سمجھ داری کے ساتھ سوچ سمجھ کر ووٹ ڈالیے۔ 2024 کا الیکشن اس ملک کی دشا اور دَشا طے کرنے والا الیکشن ہے جس میں مسلمانوں کو فیصلہ کن رول ادا کرنا ہے۔

abuzarkamaluddin.com